© rasailojaraid.com

کرکے ڈالیوں اور پتیوں تک پہنچاتی ہیں یا خود پتیوں میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ زمین کا پانی چوس کر اوپر کھینچ سکیں!

بہرحال پورے درخت اور اس کی ڈالیوں اور شاخوں میں آبی گزرگاہوں کا ایک جال پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ جس طرح انسانی جسم میں خون کی شریانوں اور وریدوں کا ایک منظم جال پھیلا ہوا ہوتا ہے جو خون کو دل کے ہیڈ کوارٹر سے سارے جسم تک پہنچاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح پتیاں بھی درخت کی جڑوں سے ایک قسم کی رگوں اور نالیوں کے ذریعہ[1] جڑی ہوتی ہیں۔ جن کو...... ڈالیاں اور شاخیں آپس میں جوڑ دیتی ہیں۔ گویا کہ جڑوں سے لے کر پتیوں تک پورے درخت میں ایک قسم کی پائپ لائنیں بچھی ہوئی ہیں۔ جن کے ذریعہ زمین کا پانی مسلسل پتیوں اور کلوروفل تک پہنچتا رہتا ہے۔ اگر آپ کسی پتی کو ہاتھ میں لے کر دیکھیں تو آپ کو اس کی پشت پر ابھری ہوئی بے شمار آڑی ترچھی رگوں کی مانند نسیں (VEINS) دکھائی دیں گی جن کو ایک بڑی درمیانی نس (MID RIB) جوڑے رہتی ہے۔ یہ نسیں عموماً دھاگے سے زیادہ باریک ہوتی ہیں۔ جو سطحی نظر سے پوری طرح مشاہدہ میں نہیں آتیں۔ اس کے باوجود وہ ایک پائپ کی طرح اندر سے کھوکھلی ہوتی ہیں جن میں پانی وغیرہ برابر گزرتا رہتا ہے۔

الغرض ان نسوں کے ذریعہ زمین کا پانی کلوروفل تک پہنچتا ہے۔ پھر کلوروفل کے ذریعہ مواد نشاستہ (کاربوہائیڈریٹ) کی تیاری کے بعد یہی نسیں اس قیمتی غذائی مادہ کو بحفاظت تمام پھولوں اور پھلوں کے ظاہر ہونے والے مقامات تک مسلسل منتقل کرتی رہتی ہیں۔ پھول جب بار آور ہو جاتے ہیں تو یہی مادہ پھولوں کی بیضہ دانی (OVARY) میں جمع ہونے لگتا ہے جو بالآخر بڑھتے بڑھتے پھل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مگر "الذی احسن کل شیٔ خلقہ" (اس نے جو چیز بھی بنائی خوب بنائی) کے ہمہ گیر کلیہ کے مطابق صنعت ربانی کی داد دیجئے

---

[1] ان کو نباتیات کی اصطلاح میں VASCULAR BUNDLES کہا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ یہ دونوں نظامات (پانی کی آمد اور مواد نشائیہ کی رفت) نزاکت اور پیچیدہ کاریگری کا شاندار نمونہ پیش کرتے ہیں۔ کیا مجال ہے کہ پانی اور مواد نشائیہ دونوں آپس میں خلط ملط ہو کر نظام ربوبیت کو بگاڑ دیں! "بینھما برزخ لا یبغیٰن" (ان دونوں کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا ہے جس کو کوئی پھاند نہیں سکتا) کا یہ بھی ایک شاندار نظارہ ہے[1]۔ کیا ایسا نازک اور حکیمانہ نظام بغیر کسی خالق و مربی اور مدبر و منتظم کے چل بھی سکتا ہے؟ کیا یہ "کل لہ قانتون" (سب کے سب اس کی بارگاہ میں جھکے ہوئے ہیں) کا ایک بے مثال آفاقی مشاہدہ نہیں ہے؟

آپ نے رگ گل سے بلبل کے پر باندھنے کی شاعرانہ خیال آرائی تو سنی ہو گی۔ مگر کلوروفل اور پتیوں کے دقت انگیز نظام ربوبیت میں یہ داستان سرائی ایک حقیقت ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

(باقی)

---

[1] جڑوں سے پتیوں تک تنے اور ڈالیوں میں دو قسم کی نالیاں بنی ہوئی ہیں: (۱) وہ نالیاں جو زمین کا پانی اور دیگر نمکیات اوپر پتیوں تک پہنچاتی ہیں۔ ان نالیوں کو چوبی ریشہ (XYLEM) کہا جاتا ہے (۲) دوسری قسم کی نالیاں وہ ہیں جو پتیوں میں تیار شدہ مادہ (مواد نشائیہ) جڑوں اور دیگر مقامات تک واپس لاتی ہیں۔ ان نالیوں کو رس ریشہ (PHLOEM) کہتے ہیں۔ اسی طرح پتیوں میں بھی دو قسم کی نسیں ہوتی ہیں۔ مگر نظام ربوبیت کی داد دیجئے کہ کبھی بھول چوک کر بھی پانی اور سادہ نمکیات "اس ریشہ" میں یا تیار شدہ غذائی مواد "چوبی ریشہ" میں جا نہیں سکتا۔ کیا یہ حیرتناک نظام بغیر کسی نگرانی اور انتظام کے ممکن ہے! اللہ خالق کل شئی و ھو علی کل شئی وکیل (اللہ ہر چیز کی تخلیق کرنیوالا ہے اور ہر چیز کا نگران وہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لطائف اکبری نادر قلمی ملفوظ

خواجہ علی اکبر مودودی (ف ۱۲۳۰ھ) کے احوال واقوال

(۳)

از مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی۔ استاذ شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

شیخ محب اللہ الہ آبادی ایک روز شیخ ابوالفتح محب الٰہی (سلمہ اللہ تعالیٰ) نماز عصر سے پہلے حاضر خدمت ہوئے اور حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ کے تصنیف کردہ رسالہ "تسویہ" کا ذکر چھڑ گیا۔ خواجہ مودودی نے فرمایا کہ "فقیر نے اس رسالہ کی بڑی مفصل شرح لکھی ہے جو بہت طویل ہوگئی ہے، شرح لکھنے کے محرک حضرت شیخ الہ آبادیؒ کے فرزندوں میں سے ایک صاحب ہوئے تھے۔ ایک ہفتہ کے اندر یہ تشریح لکھ گئی تھی .... اس زمانے میں فقیر الہ آباد میں دائرہ شاہ محب اللہ ہی میں قیام پذیر تھا، نماز جمعہ کے بعد تشریح لکھنا شروع کی تھی اور دوسرے جمعہ کو وہ پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ...... اس کے بعد شیخ ابوالفتح سے پوچھا "آپ کا اس سلسلہ سے تعلق کے واسطوں سے ہے؟" انھوں نے بتایا کہ اپنے والد کے مرید ہیں وہ اپنے دادا مولوی عبدالشکور محمد آبادی سے بیعت تھے اور مولوی عبدالشکور کو حضرت شیخ الہ آبادی سے بیعت تھی،

خواجہ مودودی نے فرمایا "مولوی عبدالشکور مغفور نے "تسویہ" کی بعض عبارتوں کا جو حل تحریر کیا ہے وہ فقیر نے دیکھا ہے اور شاہ حبیب اللہ عظیم آبادی نے بھی جو حضرت شاہ محب اللہؒ کے خلفا میں سے تھے۔ دو ایک ورق "تسویہ" کی تشریح میں تحریر کئے ہیں"

اس کے بعد حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ کے احوال پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ حضرت شیخ الہ آبادی نے لاہور میں ....

لاعبدالسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاہوری سے[1] جو اصلاً دیوہ کے رہنے والے تھے اور لاہور میں درس و تدریس کے سلسلے میں قیام پذیر ہو گئے تھے علوم رسمیہ حاصل کیے فارغ التحصیل ہونے کے بعد لاہور سے دہلی آئے۔ جہاں سعد اللہ خاں کے یہاں، جو اس زمانے میں شغلِ وزارت رکھتے تھے۔ اپنی سابقہ دوستی کی بنا پر قیام کیا۔ دہلی میں قیام کے دوران ایک روز حضرت نظام الدین اولیا (سلطان المشائخ محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ) کے مرقد منورہ کی زیارت کو گئے، عین عتبہ بوسی میں ان پر ایک کیفیت (بیخودی کی) طاری ہوئی جس میں انھوں نے دیکھا کہ اس سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے ایک شیخ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ایک اور صاحب کے ہاتھ میں تھما دیا اور فرمایا کہ ان کی تربیت تم کرو، اسی عالم میں جو محفل ان کے پیش نظر تھی اس کے حاضرین میں سے ایک سے انھوں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں (جن کے ہاتھ میں ہاتھ تھمایا گیا ہے) جواب ملا، ابو سعید گنگوہی، جب ہوش میں آئے تو حضرت شیخ ابو سعید گنگوہی کی خدمت میں حاضری کا رجحان پوری طرح غالب تھا، اور اسی رات کو دہلی سے گنگوہ روانہ ہو گئے اور بطور قطع ارض، ایسے وقت گنگوہ پہنچے کہ فجر کی سنتیں شیخ کی مسجد میں پڑھیں اور شیخ کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ شیخ ابو سعید گنگوہیؒ نے فجر کی نماز کے لیے . . . . وضو کرتے ہوئے اس کنیز سے جو کھانا تیار کرنے کی ذمہ دار تھی فرمایا کہ "آج حلوہ خوب گھی ڈال کر تیار کرنا ایک نازک مزاج شکار میرے دام میں آگیا ہے۔" گھر ہی میں سنتیں پڑھ کر مسجد میں آئے اور فجر کی نماز جماعت سے ادا کی، اشراق کی نماز کے بعد حضرت شیخ اپنے مریدوں کی طرف متوجہ ہوئے

---

[1] یہ بیان تذکرہ نویسوں کے بیان سے مختلف ہے۔ تذکرہ نگار ملا عبد السلام لاہوری اور ملا عبد السلام دیوی کو نہ صرف الگ الگ شخصیت قرار دیتے ہیں بلکہ دونوں میں استادی اور شاگردی کا رشتہ مانتے ہیں ملا عبد السلام لاہوری کی وفات ۱۰۳۷ھ میں عہد جہانگیری میں ہوئی۔ اور ملا عبد السلام دیوی عہد شاہ جہانی میں اپنے استاد کے مدرسہ میں ان کے قائم مقام تھے۔ ملا دیوی کا سن وفات معلوم نہیں ہو سکا۔ ان کا مزار دیوہ میں ہے۔ (محمد رضا انصاری)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ محب اللہ الہ آبادی بھی شرف ملاقات سے مشرف ہوئے، شیخ کے مریدوں میں سے ایک نے عراقی کی کتاب لمعات، شیخ کے آگے رکھ دی، اور شیخ اس کے پڑھانے میں اور شیخ محب اللہ درس کے سننے میں مشغول ہو گئے۔ درس کے بعد شیخ محب اللہ الہ آبادی نے شیخ گنگوہی سے التجا کی کہ مجھے اپنی غلامی میں قبول فرما کر داخل سلسلہ فرمائیں، شیخ گنگوہی نے دریافت کیا کہ تم عالم فارغ التحصیل ہو؟ شیخ الہ آبادی نے عرض کیا "حضور بطور عرفان صورت حال جانتے ہی ہیں" فرمایا" ایک شرط ہے، جو تم سے کہوں اس میں بحث اور چوں وچرا نہ کرنا؟" شیخ الہ آبادی نے عرض کیا۔" اگر کوئی بات بفرض محال، خلاف واقعہ اور خلاف عقل وفکر معلوم ہوگی اس کی صحت چاہ لوں گا"

شیخ ابوسعید گنگوہی نے ان کو مریدوں میں داخل کر لیا اور فرمایا کہ تین روز لگاتار روزے رکھو اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو ذرا سی کسی چیز سے افطار کر لینا اور ایک ایک ہزار بار استغفراللہ درود شریف اور لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرو۔ تین دن کے بعد غسل کر کے میرے پاس آجاؤ، شیخ نے جیسا حکم دیا تھا شیخ الہ آبادی نے کیا۔ تین روز کے بعد شیخ گنگوہی نے ایک حجرہ ان کو دیا اور اپنے مریدوں میں سے ایک درویش کو ان کے ساتھ کر کے حکم دیا کہ ذکر جہری اس درویش کے ہمراہ کرو، ابھی ایک چلّہ (چالیس دن) پورا ہونے میں چند روز باقی تھے کہ شیخ الہ آبادی نے اپنے شیخ سے خلافت کی خواہش کی، شیخ نے فرمایا "ابھی کے دن گذارے ہیں؟ علوم رسمیہ کے حاصل کرنے میں جو اس علم سے کہیں کم تر ہیں، کتنا لمبا زمانہ صرف کیا اور اس علم کا حصول اتنا آسان سمجھ بیٹھے؟"

اس اثناء میں شیخ الہ آبادی کے والدین نے اپنے وطن صدیپور سے (صدیپور حسب صراحت تذکرۂ علمائے ہند مضافات خیرآباد اودھ کا ایک قصبہ تھا) بار بار شیخ گنگوہی کی خدمت میں درخواست کی کہ ان کے بیٹے کو گھر آنے کی اجازت دی جائے، شیخ گنگوہی نے ان کو گھر جانے کی اجازت دے دی، چونکہ بے حد نازک طبع تھے اس لئے ان ریاضتوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برداشت نہ کر سکے، بہرحال شیخ نے رخصت کرتے ہوئے اپنی کلاہ اور خرقۂ مبارک بطور خلافت عطا فرمایا اور اجازت خلافت بھی چند شرطوں کے ساتھ لکھ دی۔ فقیر نے حضرت شیخ ابوسعید کے ہاتھ اور قلم کی لکھی یہ تحریر بچشم خود دیکھی ہے اور وہ وطن آ کر تدریس اور ارشاد میں مشغول ہو گئے، کچھ عرصہ قیام رہا بھائیوں کی جلن کی وجہ سے چونکہ حد درجہ نازک طبع تھے وطن سے بارادۂ حج روانہ ہو گئے۔ اتفاقاً الہ آباد پہنچے اور وہاں دریائے جمنا کے کنارے قیام فرمایا، قاضی شہر کے بیٹے جن کا نام صدرالدین تھا اور جو قاضی گھاسی کے نام سے مشہور رہیں۔ خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ قاضی گھاسی کم عمر اور انتہائی خوب صورت تھے۔ شیخ الہ آبادی کو ان کی طرف بے حد التفات ہو گیا اور اسی کے نتیجہ میں الہ آباد ہی میں سکونت اختیار کر لی، اور وہیں انتقال فرمایا حضرت شیخ الہ آبادی کے اولاد میں بعض صاحبزادوں سے میں نے سنا ہے کہ جب قاضی زادہ (قاضی گھاسی)، نے آ کر بیعت کی تو شیخ الہ آبادی نے فرمایا کہ میرا حج مجھے حاصل ہو گیا، رحمتہ اللہ علیہ رحمتہً واسعۃً، صفحہ ۵۰ سے ۶۰ تک)

صاحب ملفوظ خواجہ مودودیؒ شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ کے مزار پر ایک عرصہ تک قیام کر کے شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ الہ آبادی کی تصانیف کا جو وحدۃ الوجود کے فلسفے کی بنیاد ہی تصانیف ہیں مطالعہ کرتے رہے تھے۔ صاحب نزہتہ الخواطر کا بیان ہے:

فی أی الشیخ محب اللہ المذکور فی المنام ووقع بینہما کلام علی مذہبہ فاعترف بما اعترف واعطاہ الخرقۃ التی کانت علیہ فلما افاق لاقاہ غلام محب اللہ ابن حبیب اللہ بن سیف اللہ بن تاج الدین بن محب اللہ المذکور واخبرہ انہ رائی فی منامہ جدّہ

خواجہ علی اکبر مودودی (صاحب ملفوظ) نے الہ آباد میں شیخ محب اللہ الہ آبادی کو خواب میں دیکھا، خواب ہی میں دونوں میں شیخ کے مسلک (وحدۃ الوجود) پر تبادلۂ خیال ہوا اور خواجہ مودودی نے شیخ کے ارشادات کو صحیح مان لیا۔ شیخ الہ آبادی نے خواب ہی میں اپنا خرقہ جسے وہ پہنے ہوئے تھے اتار کر خواجہ کو عطا فرما دیا خواجہ مودودی خواب سے بیدار ہوئے تو شیخ محب اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فامرہ ان یخرج الخرقۃ التی کان یلبسہا فی حیاتہ الیہ فاتی بہا السید فاخذھا،

ص ۳۲۸ ج ۲

الہ آبادی کے پرپوتے کے صاحبزادے غلام محب اللہ جن کا نام تھا آئے اور انھوں نے بتایا کہ ان کے جدامجد نے خواب میں انہیں حکم دیا ہے کہ جو خرقہ وہ اپنی زندگی میں پہنا کرتے تھے وہ نکالا جائے اور خواجہ مودودی کو دے دیا جائے چنانچہ وہ خرقہ غلام محب اللہ نے خواجہ مودودی کو پیش کیا اور انھوں نے لے لیا۔

شیخ محب اللہ الہ آبادی کے مسلک سے ہم آہنگ ہو جانے کے بعد خواجہ مودودی ان کے خیالات اور نظریات کے بڑے مبلغ بن گئے تھے۔ ملفوظ میں جا بجا شیخ کے اس نظریۂ وحدۃ الوجود کی تشریح اور تفسیر ان کی زبانی ملتی ہے مثلاً، خواجہ مودودی نے بیان کیا:

کہتے ہیں کہ ایک گویا، محمد دارا شکوہ کے دربار میں حاضر تھا، وہیں حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی کے اوصاف و کمالات کا شہرہ اس کے کانوں تک پہنچا اور اس کے دل میں شیخ کی عقیدت کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہاں سے روانہ ہو کر شیخ محب اللہ الہ آبادی کی خدمت میں اس طرح پہنچا کہ راستہ میں بہت سے درویشوں سے بھی شرف ملاقات حاصل کرتا گیا۔ جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے پر اس نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو شیخ نے فرمایا "اس مسلک میں اشغال و اعمال کا جو دستور ہے اور وہ یہ ہیں ان پر سختی سے عمل پیرا ہو گے؟" اس نے اعمال و اشغال کی جو تفصیل سنی تو کہنے لگا "اتنی ریاضت اور محنت مجھ سے نہ ہو سکے گی" شیخ نے دریافت فرمایا "کچھ پڑھے ہو" گویے نے عرض کیا "نہیں" شیخ نے فرمایا "پھر کیسے اپنا مقصود حاصل کر پاؤ گے؟" اس کے بعد شیخ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ریافت کیا۔ "اچھا تمہیں کسی کام میں مہارت حاصل ہے؟" اس نے عرض کیا۔
"گویّا ہوں۔ نغمہ اور سرود میں کافی مہارت رکھتا ہوں" شیخ نے پوچھا "اس فن میں کتنے راگنی راگ ہیں؟" گویے کو جو کچھ معلوم تھا اور جو موسیقی کے ماہرین کا معمول تھا بیان کر دیا۔ شیخ نے دریافت فرمایا کہ "ان تمام راگوں کی اصل کیا ہے؟" اس نے کہا "آواز" شیخ نے فرمایا کہ "آواز تو ایک ہی ہے پھر یہ راگوں اور راگنیوں میں اختلاف کیسے ہوتا ہے؟" اس نے جواب دیا کہ "اسی آواز کے گھٹاؤ بڑھاؤ سے اختلاف ہوتا ہے۔"

حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی نے فرمایا "بس اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے جو ہر شے میں ساری ہے، چیزوں کا اختلاف اور ان کی کثرت کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ رنگ کا فرق ہے ایک کا رنگ دوسرے سے جداگانہ ہے بس الگ الگ چیز معلوم ہوتی ہے۔" شیخ الہ آبادی نے اس کے بعد اس گویّے کو توجہ دی اور چشم زدن میں وحدۃ الوجود کا مسئلہ اس پر منکشف ہو گیا۔ وہ بیہوش ہو کر گر گیا اور اسی حال میں تین روز گذار کر اس کا انتقال ہو گیا۔ خواجہ مودودی نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا "ہر ذی روح کی زندگی اس کے اکل و شرب پر جسے غذا کہتے ہیں موقوف ہوتی ہے، یہ غذا چاہے روحانی ہو یا جسمانی، تو جب اس گویّے کی غذائے روحی پوری ہو گئی تو وہ بھی ختم ہو گیا۔" ص ۱۸۹

داراشکوہ داراشکوہ کا ذکر اس گویّے کے ضمن میں آیا ہے، خواجہ مودودی نے داراشکوہ کے بارے میں بھی اپنے خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔

جامع ملفوظ خواجہ حسن کے حقیقی بھائی خواجہ حسین نے عرض کیا کہ "کچھ لوگ داراشکوہ کو عارفین میں شمار کرتے ہیں؟" خواجہ مودودی نے فرمایا "داراشکوہ کو اس فن کی صحیح سمجھ بھی نصیب نہیں ہوئی تھی عرفان تک پہنچنے کا کیا سوال، مہمل گو اور خلاف شرع باتیں کرنے والا جس کے نزدیک اسلام اور کفر یکساں تھے صرف نام کا فرق اس کے خیال میں تھا، چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اسے

© rasailojaraid.com

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پوتوں میں سے بندگی شیخ داؤد سے بے حد عقیدت تھی، شاہجہان نے اپنی ایک نوعمر کنیز کو جو بہت خوب صورت تھی اور جس سے اس کو بہت محبت تھی. پھونک جھڑوانے کے لئے (اس لئے کہ وہ کچھ بیمار ہو گئی تھی) بندگی شیخ داؤد کی خدمت میں بھیجا۔ شاہجہاں نے اس کنیز کی کم سنی کی وجہ سے اس پر کوئی تصرف نہیں کیا تھا اور اس کی پوری عمر تک پہنچنے کا منتظر تھا۔ بندگی شیخ داود نے جب اس کنیز کو دیکھا تو فریفتہ ہو گئے اور داراشکوہ سے کہلوا بھیجا کہ اگر فلاں کنیز کو جس پر میں فریفتہ ہوں اپنے باپ (شاہجہاں) سے مجھے دلوادو تو میں اس کے ساتھ نکاح کرلوں" داراشکوہ چونکہ ان کا بے حد معتقد تھا فوراً اپنے بیٹے کو اپنے باپ کی خدمت میں بھیجا کہ ان سے اس کنیز کو مانگ لو۔ داراشکوہ کا بیٹا (یعنی شاہ جہاں کا پوتا) گیا اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے پوچھا "کیا کہنا ہے؟" اس نے عرض کیا "اگر مان لیا جائے تو عرض کردوں" بادشاہ نے مان لینے کا اقرار کیا تب پوتے نے انکی منظور نظر کنیز کو مانگا، بادشاہ نے کہا "خیر اس کو تو لے جاؤ لیکن آئندہ سے میرے سامنے مت آنا" وہ کنیز کو لے کر اپنے باپ (داراشکوہ) کے پاس آیا اور داراشکوہ نے اسی وقت کنیز کو بندگی شیخ داؤد کی خدمت میں بھیج دیا۔ انھوں نے اس سے نکاح کرلیا۔ اس قصے کے بیان کرنے کا مدعا یہ تھا کہ داراشکوہ کو اتنی زیادہ عقیدت، بندگی شیخ داؤد سے تھی مگر بندگی شیخ داؤد ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے اور اپنے مریدوں سے بھی کہتے تھے کہ یہی دعا کریں کہ داراشکوہ کو سلطنت نصیب نہ ہو۔ جب مریدوں نے پوچھا کہ وہ تو اتنی عقیدت رکھتا ہے اور آپ اس کے حق میں یہ دعا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟" بندگی شیخ نے فرمایا "داراشکوہ شرع کے خلاف ہے۔ اگر اس کو سلطنت مل گئی تو شرع شریف میں بڑا فساد اور رخنہ پیدا کر دے گا۔" اس کے بعد خواجہ مودودی نے فرمایا کہ شیخ داؤد کو زیبا نہ تھا کہ اس کنیز سے نکاح کریں۔ ایسی حرکت درویشی کے مقام سے کوسوں دور ہے، نواب محبت خاں نے عرض کیا "اس سے عشق تھا اس لئے مجبور ہو گئے"، خواجہ مودودی نے فرمایا۔ "درویش کو حق کے عشق کے علاوہ ماسوا سے عشق کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا حق ہے ؟" صفحہ ۳۴۹

ایک دوسرے موقعہ پر مولوی برکت اللہ جون پوری نے داراشکوہ کی تصنیف کردہ سفینۃ الاولیاء کے ایک واقعہ کا ذکر کیا، خواجۂ مودودی نے فرمایا: "داراشکوہ وہ باتیں لکھ جاتا ہے جن کا حقیقت میں وجود ہی نہیں ہے۔ فقیر نے اس کی تالیفات کو کبھی نہیں پڑھا" سلسلۂ گفتگو میں مولوی برکت اللہ جون پوری نے عرض کیا "داراشکوہ نے جو "شطحیات" لکھے ہیں وہ ملاحظہ سے گذرے؟" خواجۂ مودودی نے فرمایا "نہیں، فقیر نے داراشکوہ کی کتاب مجمع البحرین جب سے دیکھی ہے اس کی تالیف سے آنکھیں بند کرلی ہیں اس لئے کہ اس کو صوفیا کی اصطلاحات کا علم تک نہیں ہے۔ اس نے شطح کے ایک معنی لکھے ہیں۔ فتوحات مکیہ میں شطح کے جو معنی بیان کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں: "نفس کی رعونت کی حالت میں کلمۂ حق کا صدور" شطح کے جو یہ معنی شیخ ابن عربی نے لکھے ہیں یہی معنی صوفیا کی کتابوں میں بھی ہیں۔ داراشکوہ نے جو معنی لکھے ہیں وہ کہیں اور نظر سے نہیں گذرے،...... صفحہ ۵۲۴

علماء کا احتجاج اس وحدۃ الوجود کے نظریے کی بنا پر خواجۂ مودودی کو ایک دفعہ محکمۂ احتساب سے دوچار ہونا پڑا۔ جامع ملفوظ خواجہ حسن کا بیان ہے کہ معتبر روایتوں سے میں نے سنا ہے کہ جب زبدۃ العرفاء (خواجۂ مودودی) الہ آباد میں قیام پذیر تھے۔ ایک روز عالم بے خودی و سکر (بے خبری) میں ایک غزل ارشاد فرمائی جس کے دو تین اشعار یہ ہیں:

صوفی باصفا منم عرش منم سرا منم	ارض منم سما منم بندہ منم خدا منم
بے من و بے تو من توام، در من و در تو تو منی	نے من و نے تو در میاں را منم و شما منم
من کہ علیِ اکبرم، مظہر نور حید رم	گرچہ بہ جرم اصغرم جام جہاں نما منم

اطراف کے علما نے خواجۂ مودودی کے ساتھ اس غزل کی بدولت بے ادبی کرنے کا ارادہ کیا اور قاضی القضاۃ کے پاس دوڑے گئے جو اس زمانے میں بادشاہ وقت کے ساتھ رہتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا، اور بادشاہ وقت کا بڑا ؤ ایک عرصے سے الہ آباد ہی میں تھا، علما ء نے قاضی القضاۃ سے مافی الضمیر بیان کیا۔ وہ خواجہ مودودی کے احوال سے پوری طرح باخبر تھا اور پوری عقیدت رکھتا تھا، اس نے علما ء سے کہا:" عارفین کے احوال میں مزاحمت مناسب نہیں ہے"۔ اس کے بعد قاضی نے کہا" اول بات یہ کہ یہ خواجہ مودودی کا قول ہی نہیں ہے جو آپ لوگ کہہ رہے ہیں، ان کا ظاہر شریعت سے اور باطن شریعت سے آراستہ ہے (وہ ایسی بات کیسے کہہ سکتے ہیں) اگر مان لیا جائے کہ ان ہی کے یہ اقوال (اشعار) ہیں تو کسی خاص "حالت" اور کسی "خاص مقام" کی سیر کے دوران انھوں نے کہے ہوں گے، اور اگر آپ لوگوں کا کہنا مان بھی لیا جائے تو اس صورت میں آپ کیا فرمائیں گے اگر خواجہ مودودی نے یہ کہا" میں نے تو یہ اشعار نہیں کہے ہیں" اور انھوں نے انکار ہی کر دیا؟ علما کسی طرح نہ مانے اور قاضی القضاۃ کا پیچھا اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ وہ خواجہ مودودی کے پاس آ نہیں گیا۔ علما نے اب خواجہ سے غزل کا مطلع پڑھ کر پوچھا "یہ آپ کا کہا شعر ہے؟" خواجہ کو معاملے کی کوئی خبر نہ تھی۔ انھوں نے فرمایا" میں نے نہیں کہا ہے" قاضی القضاۃ نے علما ء کی طرف دیکھا اور بولا" سن لیا جو میں کہہ رہا تھا؟"۔ اس کے بعد خواجہ مودودی نے کہا" یہی سہی کہ میں نے کہا ہے تو اس میں برائی کیا ہے؟" علما نے کہا" خدا جو دنیا کو پیدا کرنے والا ہے اس کا نام اس کی پیدا کی ہوئی کسی فنا ہو جانے والی شئے کو دینا خلاف شرع ہے"۔ خواجہ نے فرمایا" خدا بمعنی خداوند ہے اور اس لفظ کا غیر خدا کے لئے استعمال بہتوں سے وقوع میں آیا ہے جیسا کہ نفحات الانس میں ابو سعید خراز کے احوال میں شیخ الاسلام نے کہا ہے" وے اگرچہ خویشتن را شاگردانِ جنید فرامی نمود اما بار خدائے جنید بود" (وہ اگرچہ اپنے کو جنید بغدادی کے شاگردوں میں سمجھتے تھے لیکن وہ جنید کے خداوند تھے) تو ایسی صورت میں (جب "خدا" بمعنی خداوند کا استعمال بہتوں سے وقوع میں آیا ہے) اس شعر میں کوئی خاص برائی نہیں رہتی بلکہ نفحات میں جو ہے وہ تو اس شعر سے بھی بڑھ کر ہے اس لئے کہ" بار خدا" کا کثرت استعمال میں ذات خداوندی کے لئے بولا جاتا ہے، عبد الغفور (لاری)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے حاشیہ میں (جو نفحات الانس پران کا ہے) لکھا ہے کہ "یار" کے معنی غالب کے ہیں اور "خدا" کے معنی خداوند کے ہیں... " صفحہ ۳۸۶

حضور انورؐ کا تصور "میں (جامع ملفوظ خواجہ حسن) حاضر خدمت تھا ایک زن بازی گر ڈھٹی) حجرہ شریف کے دروازے پر آئی اور گانے لگی ہے

ہو سانورا موری گلی مت آیو　　　　یاروں کی نیناں گھایو

خواجہ مودودی کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، فرمانے لگے "جب کبھی موجودہ زمانے میں رائج موسیقی کے کسی بھی انداز میں کوئی شخص "سانورا" زبان سے ادا کرتا ہے تو حضور انور (رسول خدا) صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حلیہ اور صورت کے تصور میں گم ہو جاتا ہوں اس وقت بجز جمال باکمال آل سرور علیہ السلام، آئینہ خیال میں اور کسی چیز کا عکس نہیں نظر آتا"......... چوں کہ خواجہ مودودی کا معمول تھا کہ خواتین پر خواہ وہ پردہ نشین ہوں یا نہ ہوں دوبارہ نظر نہیں ڈالتے تھے اسی بنا پر عورتوں کا گانا بھی نہیں سنتے تھے۔ سوائے اس صورت کے کہ مستورات میں ہو۔ اس لئے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ازواج مطہرات کے درمیان خواتین کے نغموں سے قریب ہوئے ہیں۔

ایک روز ایک رقاصہ آئی، اس وقت خواجہ مودودی مستورات کے درمیان تشریف رکھتے تھے، اس نے آپ کے سامنے گانا شروع کر دیا:

مینو چیٹک دے گیا سانورا ہو پیارا میرا، لعل لعل چیرا یا ندھول سبز دو شالہ

وارے میاں تو میرا، سولی وار دے سانورا　الخ

خواجہ مودودی نے فرمایا "سانورا" اشارہ ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف کہ آپ گندم گوں تھے انتہائی ملاحت (نمکینی) کے ساتھ خود حضور صلعم نے فرمایا ہے "انا املح واخی یوسف اصبح" (میں ملیح ہوں اور میرے بھائی (حضرت) یوسفؑ صبیح تھے) اور "لال چیرا" اشارہ ہے امر توحید کی طرف کہ یہ امر "خوں ریز" ہے۔ اور

© rasailojaraid.com